۶۰ سال پہلے

جن کی حقیقت کے متعلق شبہات کی ابتدا دور جدید میں غالباً انیسویں صدی کے وسط آخر میں ہوئی ہے۔اس زمانے میں محض کسی مذہبی کتاب کی سند پر کسی ایسی شے کو موجود ماننا، جس کے وجود کا کوئی سائنٹفک ثبوت موجود نہ ہو، بڑے شرم کی بات ہوگئی تھی، اور ایسی شرمناک بات کا ارتکاب صرف وہی شخص کر سکتا تھا جو اس زمانے کے اہل علم کی نگاہوں میں تاریک خیال اور توہم پرست کٹھ ملا بننے کے لیے تیار ہوتا۔ان حالات میں ان مسلمانوں نے، جو اپنی دنیوی ترقی کے لیے اپنے غیر مسلم آقاؤں اور پیشواؤں کی نگاہوں میں روشن خیال اور عقل پرست بننا ضروری سمجھتے تھے، ایک نئی نگاہ سے قرآن مجید کا مطالعہ شروع کیا، اور ہر اس مسئلہ کو، جسے ماننے کے لیے انیسویں صدی کے مادہ پرست بندگان حواس و پرستاران عادت آمادہ نہ ہو سکتے تھے، ایسے عجیب طریقوں سے تاویل کے خراد پر چڑھایا کہ وہ مسئلہ قرآن سے خارج بھی نہ ہوا اور ان لوگوں کے افکار و تخیلات کے مطابق ڈھل بھی گیا جو قرآن کی روح اور اس کے اصول اولیہ سے بنیادی اختلاف رکھتے تھے۔اس سلسلے میں جن قرآنی ارشادات کو توڑا مروڑا گیا انھی میں سے ایک وہ ارشادات ہیں جو ابلیس، شیاطین اور جنوں سے تعلق رکھتے ہیں۔کہا گیا کہ ان الفاظ سے کوئی ایسی مخلوق مراد نہیں ہے جو انسان سے الگ کوئی فوق الطبیع وجود رکھتی ہو، بلکہ ان سے کہیں تو انسان کی اپنی بہیمی قوتیں مراد ہیں، جنھیں شیاطین کہا گیا ہے، اور کہیں ان سے مراد وحشی اور جنگلی اور پہاڑی قومیں ہیں، اور کہیں ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو چھپ چھپ کر قرآن مجید سنا کرتے تھے۔یہ تاویلات اتنی رکیک ہیں کہ ان کا ارتکاب صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو یا تو عربی زبان اور قرآن مجید کا تھوڑا سا علم بھی نہ رکھتا ہو، یا پھر اس کے دل میں خدا اور یوم آخر کے خوف سے زیادہ دنیا اور اہل دنیا کا خوف ہو۔لیکن ۵۷ کے ہنگامے کے بعد جن حالات سے ہندوستان کے مسلمان گزرے ہیں ان میں یہ دونوں باتیں جمع ہوگئی تھیں، اس لیے ایسی اور اس سے بھی زیادہ رکیک تاویلات قرآن مجید میں کی گئیں، اور طرفہ ماجرا یہ ہے کہ ادعائے علم و حمایت اسلام کے ساتھ کی گئیں!

(سید ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، جلد ۵، عدد ۴، ص ۵۶-۵۷، شوال ۵۳، ۱۳ فروری ۱۹۳۵)